"جج صاحب" میں جرائم کی عکاسی

Depiction of Crimes and Ashraf Shad's Novel "Judge Sahib"

ڈاکٹر مشتاق احمد

صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

ڈاکٹر اللہ یار

صدر شعبہ اردو، کاسٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ساہیوال

Abstract:

Ashraf Shad is a contemporary poet, researcher and novelist. He is the author of many books. In Poetry, Nisab, Aa mare Kareeb Aa, Akhbar Ishq jab kh Bewatan, while in novel; Wazeer-e-Aazam, Sadr-e-mohtram and Judge Sahib. He has exposed the criminals spread in the society. A serious crime like murder is committed to save wealth and then the criminal is acquitted honorably by buying the lawyers. He has the ability to speak and have mastery over the art of creation. He has boldly and audaciously adapted political themes into literature. In this article, the crimes in the novel "Judge Sahib" are depicted.

کلیدی الفاظ: منشیات فروشی، جسم فروشی، سیاستدان، غربت، مخلوط ماحول

اشرف شاد عصر حاضر کے سے تعلق رکھنے والے شاعر، محقق اور ناول نگار ہیں ہیں۔ انھوں نے ایم-اے آرنرز کی ڈگری یونیورسٹی آف ساؤتھ ویلز آسٹریلیا سے حاصل کی۔ وہ تقریباً پندرہ سال آسٹریلیا کے سرکاری نشریاتی ادارے ایس بی ایس ریڈیو سڈنی کی اردو سروس کے سربراہ رہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے روزنامہ "ڈان" اور آسٹریلیا میں ہندوستان کی خبر رساں ایجنسی یو-این-آئی کے نمائندہ بھی رہے اور امریکہ، پاکستان، بحرین اور کویت کے کئی اخبارات سے وابستہ رہ چکے ہیں اور تقریباً دس سال متحدہ عرب امارات میں یو-اے-ای یونیورسٹی کے انگریزی رسالے "ریسرچ افیئرز" کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ وہ دبئی کی ایک یونیورسٹی میں میڈیا اور سکرپٹ رائٹنگ کے کورسز پڑھاتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاعری میں نصاب، آمرے

قریب آ، اخبار عشق جب کہ بے وطن، وزیر اعظم، صدر محترم جج صاحب ان کے ناول ہیں۔ اس کے لیے ایک افسانوی مجموعہ پہلی لکیر اور تین کتب مضامین پر مشتمل ہیں۔

ناول "جج صاحب" کی کہانی ایک وکیل کے جج بننے کا سفر ہے۔ ظفر اللہ ہاشمی ایک درمیانے درجے کا وکیل ہے جس میں آگے بڑھنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ وہ طوائفوں اور رنڈیوں کے کیس لڑنے میں شہرت رکھتا ہے۔ اس کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے والا بیرسٹر دیوان ہے۔ ناول میں مصنف نے دلالی، اسمگلنگ، منشیات فروشی، جسم فروشی، پولیس کی بلیک میلنگ، زناخانوں، زمین جائیداد کے حوالے سے جرائم، بیوروکریسی کی مجرمانہ سازشیں اور سرگرمیاں، غیر قانونی قبضہ مافیہ اور قتل وغارت جیسے جرائم کو بیان کیا ہے۔ ناول نگار نے عورتوں کی دلالی، خرید و فروخت اور اسمگلنگ جیسے بھیانک جرائم کا پردہ فاش کیا ہے۔ ایڈووکیٹ چودھری کا ایک موکل عورتوں کا دلال ہے اور ان کی عزت بیچنے جیسے جرم میں ملوث ہے۔ موکل کے پکڑے جانے پر ایڈووکیٹ چودھری اسے باعزت بری کروالیتا ہے۔ اس کے بعد یہ موکل اس گھناؤنے فعل میں اور زیادہ متحرک ہو جاتا ہے۔ نشہ آور ادویات کی اسمگلنگ ایک جرم ہے لیکن لوگ روپیہ پیسہ کے لالچ میں اسمگلنگ کے جرم کا ارتکاب کرتے پائے جاتے ہیں۔

ناول نگار نے معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم پیشہ افراد کا پردہ چاک کیا ہے۔ مال بچانے کے لیے قتل جیسا سنگین جرم ہوتا ہے اور پھر وکلا کو خرید کر پیسوں کے عوض مجرم کو باعزت بری کروا لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات قتل وغارت گری کے سلسلے نسل در نسل بھی چلتے ہیں اور یوں دو خاندانوں کے درمیان قتل کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور معاشرے میں خوف کی لہر دوڑتی ہے۔ اسمگلنگ کا جرم بھی عام ہو گیا ہے۔ راتوں رات امیر ہونے کے لالچ میں لوگ یہ دھندہ شروع کر رہے ہیں۔ ناول میں معاشرے کے مجرمانہ رویوں کے ساتھ ساتھ وکلا پر بھی کڑی تنقید کی گئی ہے۔ پیسے کے لالچ میں یہ طبقہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ جرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ وکیل بھاری فیسوں کے عوض بے گناہوں کو سزا دلوا دیتے ہیں۔ بدعنوان سیاستدانوں کے اپنے جرائم سے نجات دلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں انصاف کا شدید فقدان ہے۔

ظفر اللہ ہاشمی کو پہلا کیس ایک عورت کا ملتا ہے جو جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہے۔ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنا جسم بیچتی ہے۔ مختلف ہوٹلوں میں یہ دھندہ عروج پر ملتا ہے۔ بھوک کی ماری یہ عورت بھی ایک ہوٹل سے گرفتار ہو جاتی ہے۔ اشرف شاد لکھتے ہیں:

"ہاشمی کو اس کا پہلا کیس بھی عباسی کے ذریعے ملا تھا۔ پولیس نے کسی ہوٹل سے جسم فروشی کے الزام میں ایک عورت گرفتار کی تھی۔۔۔۔۔۔ سادہ سی کہانی تھی کہ غربت کی ماری لڑکی کسی طرح کراچی آگئی تھی اور ایک دلال کے ذریعے دھندہ کر کے اپنے خاندان کی غربت دور کر رہی تھی۔"(1)

ناول نگار نے جسم فروشی جیسے قبیح جرم کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ آپا شمیم جسم فروشی کا دھندہ کروانے والی نئے دور کی پڑھی لکھی خاتون ہے۔ اس نے شہر میں کوٹھی لے رکھی ہے جس میں ایک نئی طرز کے قبحہ خانہ اور کوٹھا کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ یہاں مصنف نے پولیس کے محکمہ پر شدید طنز کیا ہے اور پولیس کی سرپرستی میں پنپنے والے جرائم پیش کیے ہیں۔ پولیس آپا شمیم سے پیسہ بھی لیتی ہے اور لڑکیوں سے زنا بھی کرتی ہے۔ دوسری طرف آپا شمیم مجبور، بے بس اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو تربیت دیتی ہے اور اپنا زنا کا اڈہ چلاتی ہے۔ پولیس کی سرپرستی کی وجہ سے بھی آپا شمیم کے کوٹھے پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا جس میں اعلیٰ طبقہ کے لوگ تھے۔ وہ لاکھوں روپے کماتی تھی۔

علاقے کا تھانیدار بدل جاتا ہے اور وہ آپا شمیم کے ساتھ پہلے سے طے شدہ بھتہ کی شرائط بھی بدل دیتا ہے۔ نیا تھانے دار پہلے سے بھی زیادہ لالچی اور بدکار انسان نکلا۔ روز نئی سے نئی فرمائش کرنے لگا۔ اپنے دوست کو اڈہ پر لے جاتا تھا اور عیاشی کرتا تھا۔ ایک روز تھانے دار نے آپا شمیم سے لڑکی ہی مانگ لی جبکہ میڈم شمیم بھتہ بڑھانے کے لیے تیار ہو گئی، لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ یوں تھانے دار کی انا کو چوٹ پہنچتی ہے اور وہ آپا شمیم کے خلاف فحاشی اور بدکاری کا مقدمہ بنا کر جیل میں لے جاتا ہے اور یہ مقدمہ ایڈووکیٹ ہاشمی کو ملتا ہے:

"علاقے کا تھانے دار بدلا تو بھتے کی شرائط بھی بدل گئیں۔۔۔۔۔ آپا شمیم بھتہ بڑھانے پر تیار تھی لیکن لڑکی دینے پر نہیں۔ تھانے دار کی انا کو چوٹ لگی تھی۔۔۔ ان کے خلاف فحاشی اور بدکاری کے مقدمے بنائے۔ ایف آئی آر کاٹی اور ریمانڈ لے کر جیل بھیج دیا۔"(2)

وہ طوائفوں کے مشہور وکیل ایڈووکیٹ ہاشمی کے ذریعے کیس لڑتی ہے اور وکیل بھاری فیس کے عوض اسے بے گناہ ثابت کر کے باعزت بری کروا لیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور طوائف خاتون جمیلہ بیگم اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ کوٹھے پر رقص و موسیقی کا دھندہ چلاتی ہے۔ اس کے دھندے کا یہ اصول تھا کہ نکاح کر کے پیسوں کے عوض وقت گزاری کی جاتی۔ جمیلہ کی بڑی بیٹی نبیلہ بیرسٹر کرم دیوان کے نکاح میں تھی لیکن ایک روز تھانے کا ایس ایچ او کوٹھے پر گانا سننے آتا ہے اور نبیلہ پر فدا ہو جاتا ہے۔ وہ اسے ساتھ لے جانا چاہتا ہے لیکن نبیلہ کی ماں وکیل کے ساتھ نکاح میں ہونے کی وجہ سے انکار کر دیتی ہے اور پولیس ایس ایچ او غیر قانونی دھندے کا کیس بنا کر نبیلہ کو پولیس اسٹیشن لے جاتا ہے۔ جب بیرسٹر کرم دیوان کو پتا چلتا ہے تو وہ طوائفوں کے مشہور وکیل ہاشمی

سے ملتا ہے اور مکمل رازداری کے ساتھ یہ کیس لڑنے کا کہتا ہے۔ تو ہاشمی بھاری فیس وصول کر کے نبیلہ کو باعزت بری کروالیتا ہے۔

غربت ایک ایسی حالت کا نام ہے کہ جب انسان کو اپنی ضروریات زندگی کے لیے وسائل کم یا برابر ملیں اور انسان کا گزارہ مشکل ہو جائے اس کے پاس ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ بچت کی صورت میں سرمایہ محفوظ ہو نا زیور نا پلاٹ اور نہ ہی کوئی جائید اد جبکہ اس کے مقابلے میں افلاس ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ جب ملک کی اکثریت آبادی غربت کا شکار ہو۔

"افلاس وہ حالت ہے جن میں فرد اپنے گروہ کے معیاراتِ زندگی کے مطابق اپنی زندگی بسر نہ کر سکے اور اس لیے ذہنی اور جسمانی طور پر اس گروہ کا مفید رکن بننے سے قاصر رہے۔"(3)

غربت کو ماہرین نے نامسعود صورتحال کہا ہے یعنی غربت سے غربت ہی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح ملک افلاس کا شکار ہو جاتا ہے۔

آج کے جدید دور میں کمپیوٹر کے ذریعے بھی ارتکاب جرم کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کے غلط استعمال سے چوری، خیانت، تخریب کاری، نقب زنی، جعل سازی اور جاسوسی جیسے جرائم کا عام ہیں۔ ان جرائم سے بھی ملزم کو باعزت بری کرانے میں ایڈووکیٹ ہاشمی مہارت رکھتا ہے اور دیوان سے مدد لے کر بڑے وکیلوں کے چھوڑے ہوئے کیس لے کر آگے بڑھنا چاہتا ہے اور ملک کے نامور وکلا کی فہرست میں شامل ہونے کا پختہ عزم کرتا ہے:

"مجھے یقین ہے ہم لا سکتے ہیں۔ ہم بڑے وکیلوں کا بچا ہوا شکار کھائیں گے۔ آپ بڑی بڑی لاء فرمز کے لیے کام کرتے ہیں، ہم ان کا overflow لے سکتے ہیں۔ ہم مارکیٹنگ کے سارے ہتھیار استعمال کریں گے۔ ویب سائٹ، فیس بک، ٹویٹر۔"(4)

ہاشمی کو دیوان کے ذریعے کے۔ پی۔ ٹی اور "شپنگ کارپوریشن" جیسی بڑی لا فرمز کمپنیوں کے کیسز ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ کمپنیاں غیر قانونی دھندے کرتی ہیں او اپنا جعلی مال اندرون اور بیرون ملک میں فروخت کرتی ہین۔ شپنگ اور اسٹیوروڈورنگ کے سنڈیکیٹ کے بڑے مقدمات دیوان لڑتا ہے اور اس کمپنی کے قانونی معاملات، کنٹریکٹ اور ایگریمنٹ کے مقدمات ہاشمی کے حصہ میں آجاتے ہیں۔ بڑا مقدمہ دیوان عدالت میں لڑتا اور چھوٹے مقدمات ہاشمی کے سپرد ہو جاتے۔ ہاشمی بھاری فیس لینا شروع ہو گیا کیونکہ ایسی کمپنیاں اپنا نام بچانے کے لیے کوئی بھی قیمت دینے پر جلد راضی ہو جاتیں ہیں۔ ناول نگار نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وکلا ملکی اور غیر ملکی ہر معاملے کے راز دار ہوتے ہیں۔

گاؤں میں عام طور پر وراثت کو لے کر نسل در نسل دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ جاہلیت اور کم علمی بھی ہے۔ انہیں اپنے حقوق و فرائض کا پتہ نہیں ہوتا اور مار پیٹ پر اتر آتے ہیں۔ بعد میں پولیس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سالوں سال ان کے مقدمات عدالتوں میں چلتے ہیں۔ وہ ان مقدمات کی لاکھوں فیس دیتے ہیں لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹتے اور عدالتوں میں اپنا پیسہ ضائع کر دیتے ہیں۔ ایسے کیس بھی ہاشمی لڑنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں جرائم کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے اور جگہ جگہ مجرموں کی پرورش ہوتی ہے۔ عدالتوں میں بھی جرائم کے کیسز بڑھتے جا رہے ہیں۔ مجرم پیشہ لوگوں نے غلط کاموں اور غیر قانونی دھندوں سے بہت پیسہ اکٹھا کیا ہوتا ہے اور جب مجرم رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں تو یہی جمع شدہ پیسہ استعمال کر کے عدالتوں سے با عزت بری ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی جرائم پیشہ سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

ناول "جج صاحب" میں بیوروکریسی کے کرپٹ نظام پر بھی شدید چوٹ ملتی ہے۔ ملک کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افسران جب رشوت اور سرکاری خزانوں میں فراڈ اور دھوکہ دہی کرتے ہیں تو وہ بھی عدالت میں جا کر سرخرو ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی جرم کو ناول نگار ناول کا حصہ بناتے ہیں۔ جمیل احمد گھانگریو، جس کا تعلق محکمہ تعلیم سے ہے، نے پانچ ارب روپے کی کرپشن کی تو زیرِ اعتاب آ جاتا ہے۔ کیس سے نجات کے لیے ہاشمی کے پاس آتا ہے۔ دیہاتی سکولوں کی منظوری ہوئی اور سینکڑوں اساتذہ کی بھرتی تھے لیکن صرف کاغذات میں ہوتی ہے۔

کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں ہے جہاں جرائم کی یہ شرح کم ہو۔ جمیل احمد انیس گریڈ کا آفیسر ہے جس نے گورنمنٹ فنڈز سے اس بدعنوان آفیسر نے اپنا دوبئی میں کاروبار بنایا ہوا تھا اور بیوی کے نام سے کلفٹن میں کروڑوں کی جائیداد خرید رکھی تھی۔ وہ ہاشمی کو سب حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ کیس بہت پیچیدہ تھا۔ چونکہ اس کیس میں ملک کا وزیر تعلیم بھی شامل تھا اس لیے گھانگریو اس کیس کو تین ماہ تک لٹکانا چاہتا ہے۔ کیونکہ تین ماہ بعد حکومت نے خود کیس واپس لے لینا تھا:

> "بدعنوان سرکاری آفیسر، ایماندار بیوروکریٹ، ڈرگ اسمگلر، بزنس گروپ، زمیندار، کتنے ہی امکانات ابھی روشن تھے۔ گھانگریو کے مقدمے کے بعد بدعنوان آفسران کی طرف دوڑے آئیں گے۔"(5)

ہاشمی اتنی پراپرٹی کا سن کر گیارہ لاکھ فیس کا مطالبہ کرتا ہے اور جمیل احمد بغیر کسی عذر کے ہاشمی کو ایک ایک لاکھ کے گیارہ لفافے نکال کر دے دیتا ہے۔ ہاشمی اسے یقین دلاتے ہوئے لفافے رکھ لیتا ہے۔ ہاشمی مقدمے کی تاریخ بڑھانے کے لیے جمیل احمد کو بلڈ پریشر اور Diabetic کی آغا خاں لیبارٹری سے

جھوٹی رپورٹیں بنوانے کا مشورہ دیتا ہے اور یوں لیبارٹری میں بھی متعلقہ اسپشلسٹ کو پیسے دے کر رپورٹیں تیار کروالی جاتی ہیں۔ اس طرح ہاشمی اپنی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے جیسے تیسے کر کے عدالت سے یہ مقدمہ جیت لیتا ہے۔

آج کے جدید دور میں ہیکنگ کے جرائم بڑھ چکے ہیں۔ بڑی کمپنیوں کے ہیکرز ایک دوسرے کا ڈیٹا چوری کر کے ٹارگٹ کرتے ہیں۔ انٹرنیشنل کمپنیوں کا نام استعمال کر کے اپنی ذاتی غیر قانونی کمپنیاں چلا کر یہ لوگ اربوں کھربوں کے حساب سے پیسہ کما رہے ہیں۔ ہیکنگ آج کے دور کا ایک خطرناک ہتھیار ہے جس کی وجہ سے کمپنیوں کے نقصان بھی ہوتے ہیں اور عدالتی معاملات میں یہ کیسز وکلا کے پاس جاتے ہیں اور وہ لاکھوں کروڑوں کی فیس وصول کرتے ہیں۔ یہ ہمارے دور کا ایک المیہ ہے جس کو ناول نگار نے ناول میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

> "نہیں! ایسا نہیں ہے۔ انٹلیکچوئل پراپرٹی کے لاز ہیں۔ Patenting کے لاز ہیں۔ سائبر کرائم کی کوئی انٹرنیشنل dimension ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ہمارا ایک کلائنٹ ہے اس کے پاس جن پروڈکٹس کا لائسنس ہے وہ چوری کر کے سستی بیچی جارہی ہیں۔"(6)

ناول نگار نے سندھ دھرتی کے باسی وڈیروں کے مجرمانہ اور کریہہ کرداروں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پیر منیر ساون حیدر آباد سے تعلق رکھنے والا ایک وڈیرہ ہے۔ یہ شخص خاندانی بیوی ہونے کے باوجود چھپ کر دوسری شادی کرلیتا ہے۔ جس سے اس کا ایک بیٹا علیم پیدا ہوتا ہے۔ پیر منیر ساون کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا اپنے سوتیلے بھائی علیم پر قاتلانہ حملہ کروادیتا ہے وار اسے گولیوں سے چھلنی کردیتا ہے۔ سوتیلہ بھائی وراثت میں حصہ طلب کرنے کے ڈر سے علیم پر قاتلانہ حملہ کرواتا ہے۔ پولیس اسے ڈاکوؤں کی فائرنگ کا معاملہ قرار دیتی ہے کیونکہ سندھ پولیس بھی علیم کے بڑے بھائی کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ ناول نگار نے سندھ پولیس کے کمزور نظام پر بھی تنقید کی ہے۔ رشوت لے کر یہ ملازم معاملات کو رفع دفع کروادیتے ہیں اور جرائم کو طول دیتے ہیں:

> "یہ پولیس کا بیان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ڈاکوؤں نے اغواء برائے تاوان کے لیے گاڑی روکنے کی کوشش کی ہوگی۔۔۔۔۔ ڈاکو ٹارگٹ کلنگ نہیں کرتے۔ علیم صاحب کو باقاعدہ ٹارگٹ بنا کر فائرنگ کی گئی ہے۔ ڈرائیور کو خراش تک نہیں آئی ہے۔"(7)

ناول نگار نے مختلف دفاتر اور فلم انڈسٹری میں پنپنے والے جرائم کا ذکر بھی کیا ہے۔ ایسا مخلوط ماحول جہاں پر مرد اور عورت اکٹھے کام کرتے ہیں وہاں پر شیطان کا عمل دخل ضرور ہوتا ہے۔ ایڈووکیٹ ہاشمی کے دفتر میں ریحانہ نامی خاتون کام کرتی ہے۔ کام کی مصروفیات کے بیچ فرصت کے لمحات دونوں کو قریب لے آتے ہیں۔

شیطان ان دونوں پر غالب آجاتا ہے اور ہاشمی اس عورت کی عزت کو تار تار کر دیتا ہے۔ وہ ایک شادی شدہ عورت اور ایک بچے کی ماں بھی تھی۔ ناول نگار نے دفاتر میں ہونے والے جرائم کو بھی دیگر معاشرتی جرائم کے ساتھ ناول کا موضوع بنایا ہے۔ ہمارے ہاں دفاتر میں مرد اور عورت اکٹھے کام کرتے ہیں اور محبت کے نام پر ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزاری کی جاتی ہے۔ یہ تو اب ایک رجحان بن گیا ہے۔ مخلوط نظام کو غلط نہیں سمجھا جاتا۔ اس ماحول کے زیرِ اثر ہونے والے جرائم کو پسِ پردہ ہی رکھا جاتا ہے۔ ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ آج کل کی سیکرٹری کا کام کرنے والی لڑکیاں تنہائی میں باس کے ساتھ بہت وقت گزارتی ہیں۔ شیطان اپنا کام دکھاتا ہے اور نتیجہ صرف جرم، گناہ اور گمراہی ہے۔ شاید اسی لیے نامحرم کے ساتھ اکیلے رہنے میں منع آیا ہے۔ ہاشمی محبت صرف اپنی منگیتر شکیلہ سے کرتا تھا لیکن پھر بھی ریحانہ کے ساتھ قربت اختیار کی۔ بعد میں ہاشمی کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑا لیکن گناہ تو وہ کر چکا تھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہا اور ریحانہ ہاشمی کے بچے کی ماں بن گئی۔ ناول نگار نے اس بے جا آزادی اور مخلوط نظام کے پسِ پردہ جنم لینے والے جرائم کو سامنے لا کر دفاتر میں ترقی کے نام پر ہونے والے زنا جیسے جرم کو پیش کیا ہے اور یہ ناول نگار نے آج کے دور کی بات کی ہے۔ اپنے اردگرد معاشرے میں نظر دوڑانے سے ہمیں ایسے پوشیدہ جرائم سبھی دفاتر میں پنپتے ہوئے ملیں گے اور یہی جرائم ہمارے معاشرے میں بے حیائی پھیلا رہے ہیں:

> "ہاشمی نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ریحانہ بستر کے کنارے پر کھڑی ہاشمی کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے کے گرد روشنی کا ایک بے رنگ ہالہ رقص کر رہا تھا۔ ہاشمی کے بدن کی سنسنی بھی نقریال بجانے لگی۔ دفاعی زرہ بکتر ٹوٹ گیا تو ہاشمی نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بستر میں کھینچ لیا۔ میریٹ ہوٹل کے پانچویں فلور پر ایک کمرے میں ٹی وی مانیٹر پر یہ منظر دیکھ کر مینجر صغیر نے سوئچ آف کر دیا۔"(8)

ناول نگار نے ہمارے معاشرے کی اصلیت سامنے لاتے ہوئے کرداری پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ شراب نوشی کرنے والے، جواری اور زنا جیسا گناہ کرنے والے بدکردار آفیسرز اور حکمران ملک چلا رہے ہیں تو ملک میں بہتری کیسے آسکتی ہے۔ طوائفوں، جسم فروش عورتوں، ان کے دلالوں اور شراب فروخت کرنے والوں کے حلف نامے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حکومت نااہل لوگ چلا رہے ہیں۔ ناول نگار نے ہمارے ملک کے ہر چھوٹے سے لے کر بڑے جرم تک کو مختلف کرداروں نے ذریعے پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے اقوام متحدہ کے ہیومن انڈیکس (Human Index) یعنی یو این ڈی پی کے اعداد و شمار کا مصدقہ خلاصہ بھی اس ناول میں بتایا ہے جن کے مطابق دنیا کے 188 ممالک کی ہیومن انڈیکس رپورٹ میں پاکستان 147 نمبر پر ہے۔ پاکستان سے کئی زیادہ

پسماندہ ممالک اوپر چلے گئے لیکن پاکستان ابھی بھی اسی پست مقام پر کھڑا ہے۔ بنگلہ دیش 142 نمبر ہے جبکہ بھارت 130 نمبر پر۔ نیپال، لاؤس، کمبوڈیا اور کانگو جیسے ممالک بھی پاکستان سے اوپر ہیں۔ بھوٹان جیسا بے وسیلہ ملک بھی 132 نمبر پر ہے۔ دنیا کے صرف 41 ممالک پاکستان سے نچلی سطح پر ہیں۔ پاکستان میں انسانیت کا معیار اس حد تک گر چکا ہے۔

اشرف شاد نے ادب میں سیاسی موضوعات کو داخل کیا ہے۔ اس کے لیے بہت وسیع مطالعہ اور بے باکی درکار ہوتی ہے۔ ناول میں سیاسی موضوعات کو بنیاد بنا کر مختلف کرداروں کے ذریعے پیش کرنا بے حد مشکل کام ہے۔ اشرف شاد ایک ماہر صحافی ہیں اور ملک کی بے رحمانہ سیاسی کھیل کا جائزہ لے کر اپنے ادب میں ڈھالنا انہی کا خاصہ ہے۔ انھوں نے ادب تخلیق کرنے میں سیاسی معاملات کو موضوع بنا کر اس روایت کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ ادب میں سیاسی موضوعات سے گریز کیا جاتا ہے جس کی ایک وجہ ادیبوں کی تن آسانی بھی ہے لیکن اشرف شاد نے سیاسی موضوعات کو ادب میں شامل کر کے ادب کو نئی توانائی دی ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

> "اشرف شاد نے تخلیقی ادب میں سیاسی معاملات کو موضوع بنانے کی روایت کو نئی توانائی دی ہے۔ اشرف شاد نے یہ بات غلط ثابت کر دی ہے کہ سیاسی موضوعات ادب کے ممنوعات میں شامل ہیں۔"(9)

اشرف شاد بلا خوف بھڑکتی آگ میں کود پڑنے والے ایک جرات مند ادیب ہیں۔ انھوں نے ہماری سیاسی و سماجی حقیقت کو اپنی فنی مہارت کے ذریعے بیان کیا ہے اور ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے گھناؤنے مظاہر کی اس ناول میں ہو بہو تصویر اتارنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے معاشرے کی اس تصویر کو دیکھنے کے بعد دم گھٹتا ہے اور اس خوف و ہراس کے عالم میں فریادیں اپنے اندر دم توڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اشرف شاد نے اس ناول میں ان جرائم کو پیش کیا ہے جن کی وجہ سے معاشرہ تاریکیوں میں ڈوب رہا ہے۔ ناول کے سارے کردار جانے پہچانے محسوس ہوتے ہیں۔

ناول "جج صاحب" کہانی کے لطف سے سرشار کرتا ہے اور کئی طرح سے آسودہ کر کے فکر و نظر کی ترغیب دیتا ہے۔ انھوں نے اپنے ملک کے ٹوٹے پھوٹے آشیانے کی ویرانی اور بے سکونی کے عناصر کو واضح کیا ہے۔ ان کی زبان اور اندازِ بیان بڑا شگفتہ، سلیس اور رواں ہے۔ اشرف شاد گہرا مشاہدہ رکھنے والا ناول نگار ہے اور اپنے ملک کے سیاسی و سماجی حالات سے انہیں مکمل آگہی حاصل ہے۔ انہیں پاکستان کے سیاسی و سماجی منظر نامے اور نظام فکر و خیال پر مکمل دسترس ہے۔ وہ ایسی بہت سی پس پردہ کہانیوں کا علم رکھتے ہیں جو قاری کے لیے حیرانی اور افسردگی کی وجہ بنتی ہیں۔ انھوں نے اجتماعی المیہ کو اپنے انفرادی تجربات کی روشنی میں رقم کیا ہے۔

مجازی حقیقت سے خوف زدہ ہو کر عشق حقیقی میں پناہ ڈھونڈنے کی بجائے زمین کی صداقت کے ساتھ ہی نمٹایا ہے۔ انہوں نے بڑے حوصلے، بے باکی، شعور اور فنی گرفت کے ساتھ اپنے ناول "جج صاحب" کا تانا بانا بُنا ہے۔ اشرف شاد کے اندر ایک اہم ناول چھپا ہوا ہے جو خود ہی اپنے تخلیقی کرب کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہوا اپنی صلاحیتوں کو منوا گیا ہے۔

"جج صاحب" انسانی معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کا نوحہ ہے۔ معاشرتی ناہمواریاں غیر انسانی سماجی رویے اور ان سے جنم لینے والے مسائل کو اشرف شاد نے اس ناول میں بیان کیا ہے۔ وہ اپنے اطراف میں ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور قاری کو محبت اور حیرت کی الجھنوں میں الجھا دیتے ہیں۔ انھیں استعاراتی زبان پر عبور حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ قاری کو غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ خواب اور حقیقت کے فرق کو بھی بخوبی جانتے ہیں اور خوابوں کے ساتھ حقیقت کی دنیا میں بھی نام پیدا کرنے کے لیے محنت کا درس دیتے ہیں اور اپنے کرداروں کی خواہشوں کے مطابق مکالموں کو ڈھالنے میں بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔

ایک حقیقت پسند ناول نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ مسائل اور ان سے نمٹنے کی جدوجہد اشرف شاد کی تحریروں کا خاصہ ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں معاشرتی مسائل کو مختلف کہانیوں میں پیش کر کے ان کے اسباب تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کا ناول "جج صاحب" میں بھی معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم کے عناصر ملتے ہیں۔ ہر صفحہ جرم کی ایک نئی کہانی پیش کرتا ہے۔ ایک عام آدمی سے لے کر ملکی سطح پر ہونے والے جرائم کو انہوں نے مختلف کرداروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اس انصاف گریز معاشرے میں "جج صاحب" ناول لکھ کر ادب میں ایک نیا اضافہ کیا ہے۔ مجاد بریلوی اس ناول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اشرف شاد اپنے پہلے ناول "بے وطن" سے ہی صفِ اول کے ناول نگاروں میں شامل ہو گئے تھے۔ اب "جج صاحب" کے بعد وہ بلا شبہ عہد حاضر کے سب سے اہم ناول نگار بن گئے ہیں۔(10)

ناول نگاری کو کسی بھی ادب کے معیار کو پرکھنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اردو زبان اپنی بے پناہ خوبیوں، کمالات اور تخلیقی سرمائے کے باوجود اس میدان میں کچھ پیچھے ہی محسوس ہوئی ہے لیکن اشرف شاد کی آمد سے پھر ایک نئی امید بندھی ہے۔ وہ ناول نگاری کے میدان میں کافی آگے نکل چکے ہیں۔ وہ تخلیق کے فن سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ "جج صاحب" میں اس انصاف گریز معاشرہ کی سچی تصویر کشی ہے جس میں بدعنوانیوں اور سیاسی بے اعتدالیوں کو موضوع بنا کر معاشرے کے مجرمانہ رویوں پر سخت تنقید کی گئی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اشرف شاد اردو عالم میں بحیثیت ناول نگار شہرت رکھتے ہیں۔ شاعری اور صحافت سے گزرتے ہوئے انہوں نے ناول نگاری کا رستہ اپنایا اور پھر اس میدان میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ انہیں بات کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اور تخلیق کے فن پر قدرت حاصل ہے۔ انہوں نے بڑی جرات مندی اور بے باکی سے سیاسی موضوعات کو ادب میں ڈھالا ہے۔ یہ اشرف شاد کے قلم کا ہی کمال ہے جو رکتا نہیں ہے بلکہ معاشرے کے ہر کردار کو بے باکی اور حوصلہ مندی سے سامنے لاتا ہے۔ ان کے ناولوں کے مطالعہ کے بعد شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ انسانیت، دردمندی اور پاکستان دوستی جیسے جذبات کو تحریک ملتی ہے۔ وہ حقیقت اور تصور کا ایک عمدہ امتزاج قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں اور جدید دنیا میں اپنے ناول کے ذریعے ایک ایسے امن پسند ملک کی تکمیل کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جس کا خواب ہر پاکستانی اور صاحب فکر نے دیکھا ہے۔ ان کا مشاہدہ بہت وسیع ہے۔

انھوں نے علامتی اور استعاراتی زبان کا استعمال کیا ہے۔ اردو میں سیاسی موضوعات کو بہت کم ناولوں کا موضوع بنایا گیا ہے لیکن اشرف شاد نے اس روایت کو پھر سے نئی توانائی بخشی ہے۔ اخلاقی دیوالیہ پن اور معاشرتی ناہمواری جس سے ہر فرد اور ہمارا معاشرہ دوچار ہیں یہی اشرف شاد کے ناولوں کے موضوعات ہیں۔ اشرف شاد نے ہمارے معاشرے کے انتہائی تلخ اور سنگین حقائق کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے اردو ادب میں ڈکٹیٹروں اور سیاستدانوں کے اقتدار میں آنے والی محلاتی سازشوں، طور طریقوں اور سیاسی حربوں کو قلمبند کیا ہے۔ ہمارے ہاں ان موضوعات کو صحافت کا حصہ سمجھ کر گریز کیا جاتا رہا ہے لیکن اشرف شاد نے انہیں ادبی موضوعات میں ڈھال کر اردو ادب میں موجود اس کمی کو پورا کیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1. اشرف شاد، جج صاحب (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، 2017ء) ص: 35
2. ایس ایم شاہد، پاکستانی معاشرہ اور ثقافت (لاہور، ایور نیو بک پیلس، 2017ء) ص: 483
3. ایضاً، ص: 44-45
4. ایضاً، ص: 120
5. ایضاً، ص: 163
6. ایضاً، ص: 206
7. ایضاً، ص: 214
8. ایضاً، ص: 449
9. جی۔ این قریشی، اشرف شاد: فن، شخصیت، انٹرویوز (لاہور، پاکستانی ادب پبلی کیشنز، 2013ء) ص: 14
10. اشرف شاد، جج صاحب (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، 2017ء) ص: 605